سلسلۂ درسیات اقبال

پہلی کتاب

مؤلف

پروفیسر سید عبدالرشید فاضل ایم۔اے

اقبال اکادمی، پاکستان، کراچی

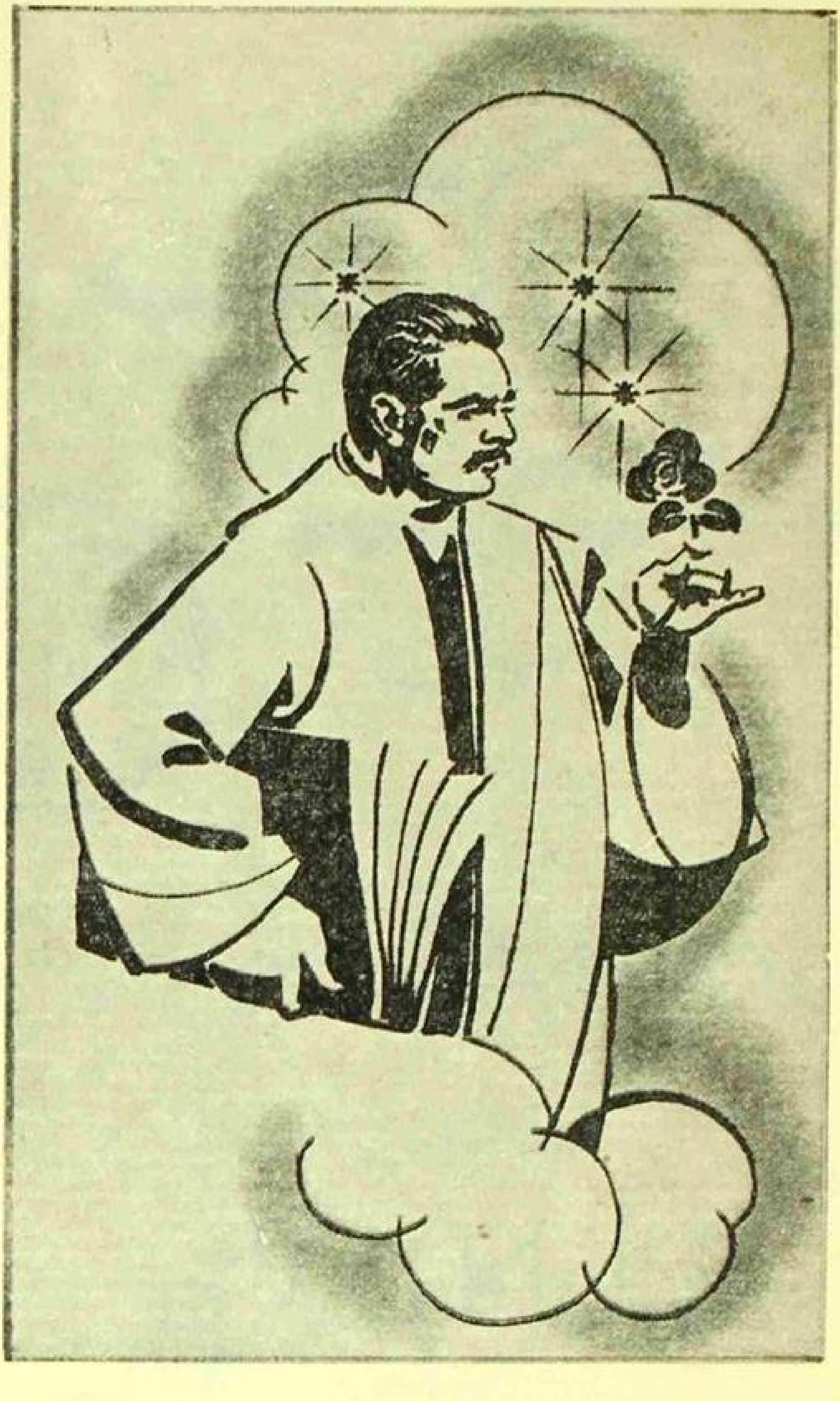

سلسلہ درسیات اقبال

پہلی کتاب

مؤلف

پروفیسر سیّد عبد الرشید فاضل ایم اے

ناشر

اقبال اکادمی کراچی

۱۹۷۳ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

فہرست مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
۱	مختصر حالات	۴
۲	بچے کی دعا	۵
۳	ہمارے نبیؐ	۸
۴	ہمارا قومی ترانہ	۱۴
۵	ایک مکڑا اور مکھی	۱۶
۶	ایک پرندہ اور جگنو	۲۱
۷	ایک پرندہ جو پیاس سے بیتاب تھا	۲۴
۸	خلیفہ ہارون رشید اور امام مالکؒ	۲۷
۹	ہمدردی	۳۰
۱۰	سیر فلک	۳۳
۱۱	ایک آرزو	۳۶
۱۲	شکوہ اور جواب شکوہ سے انتخاب	۴۲
۱۳	باز اپنے بچے کو نصیحت کرتا ہے	۴۹
۱۴	طفلِ شیر خوار (دودھ پیتا بچہ)	۵۲
۱۵	مذہب	۵۸
۱۶	کافر و مومن	۶۰
۱۷	محراب گل افغان کے افکار۔	۶۳
۱۸	اقبال اور ان کے استاد۔	۶۸
۱۹	اقبال کے لطائف (ہنسنے ہنسانے کی باتیں)	۷۶
۲۰	شاہد اور عزیز کے درمیان گفتگو۔	۷۸
۲۱	اقبال کے خاص خاص اشعار۔	۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ مختصر حالات

اقبال کا پورا نام شیخ محمدؐ اقبال ہے اور ان کے والد کا نام شیخ نور محمدؐ۔

اقبال سنہ ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

اقبال نے ایف اے تک، اسکاچ مشن کالج، سیالکوٹ میں تعلیم پائی۔ بی اے اور ایم۔ اے کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھ کر پاس کیئے۔

اقبال سنہ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے اور سنہ ۱۹۰۸ء میں تعلیم کی تکمیل کر کے واپس آ گئے۔ لندن میں کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفے کا امتحان پاس کیا، جرمنی سے پی ایچ ڈی کرے کے بعد پھر لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس لیا۔

اقبال نے لندن میں اسلام پر چھ لکچر دیئے جو بہت پسند کیئے گئے۔ اور اُن سے اُن کی شہرت بہت زیادہ ہو گئی۔

اقبال بہت بڑے شاعر اور اعلیٰ درجے کے فلسفی تھے۔

اقبال کا انتقال لاہور میں ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء کو ہوا۔

۲۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کرو۔ اور ان دو لفظوں سے کام لو۔

شاعر
فلسفی

(الف) اقبال بہت بڑے . . . . تھے

(ب) اقبال اعلیٰ درجے کے . . . . تھے

(ج) اقبال . . . . تھے

۳۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں کو اپنی کاپی میں صاف صاف خوشخط نقل کرو۔

(الف) اقبال کو علم حاصل کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔

(ب) اقبال روزانہ فجر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

(ج) اقبال اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

۲- بچّے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یارب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، وہ راہ چلانا مجھ کو

نظم کا مطلب :-

بچہ خدا سے دُعا کرتا ہے کہ :-

اے خدا! میری زندگی شمع کی طرح ہو۔ جس طرح شمع کی روشنی سے اندھیرا دور ہوتا ہے اسی طرح میرے علم کی روشنی سے دنیا سے بُرائی کا اندھیرا دُور ہو۔ اور ہر جگہ نیکی اور بھلائی کا اجالا ہو جائے۔

یہ بھی تمنا ہے کہ جس طرح پھول سے باغ کی رونق ہوتی ہے اسی طرح میرے دَم سے میرے وطن کی رونق ہو۔ تیسری تمنا یہ ہے کہ اے اللہ! میری زندگی پروانے کی طرح ہو۔ جس طرح پروانے کو شمع سے محبّت ہوتی ہے کہ جہاں شمع روشن ہوتی ہے پروانہ وہیں پہنچ جاتا ہے، میں بھی جہاں علم ہو وہیں پہنچ کر علم حاصل کروں۔

یہ بھی تمنا ہے کہ غریبوں کی مدد کرنا اور کمزوروں اور دردمندوں سے محبت کرنا میرا کام ہو۔

آخر میں بچہ یہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے بُرائی سے بچاتے رہنا اور وہ راستہ چلانا جو میرے لئے بھلائی کا راستہ ہو۔

۱۔ بچے کی دُعا کو زبانی یاد کرو۔

۲۔ نیچے دیئے ہوئے الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنیٰ	لفظ	معنیٰ
تمنّا	خواہش	ضعیف	کمزور
صورت	شکل، طرح	دردمند	۱۔ درد اور تکلیف میں مبتلا ۲۔ رحم دل
زینت	رونق		

۳۔ اوپر دیئے ہوئے لفظوں میں سے ایک ایک لفظ کو ایک ایک جُملے میں استعمال کرو۔

۴۔ نیچے لکھے ہوئے شعر کو اپنی کاپی میں صاف اور خوشخط نقل کرو۔

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، وہ راہ چلانا مجھ کو

۵۔ نیچے کے جملوں میں خالی جگہ میں لفظ رکھو۔

(الف) برائی سے بچنا . . . . ہے
(ب) میرے دم سے دنیا کا اندھیرا . . . . ہو جائے۔
(ج) میرا کام غریبوں اور ضعیفوں کی . . . . کرنا ہو۔

۳۔ ہمارے نبیؐ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے نبی ہیں۔ ہر مسلمان کے دل میں آپ کی محبت اور انتہا درجے کی عزت ہے مسلمانوں کی عزت و آبرو آپ ہی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں ہے۔

ہمارے نبیؐ ٹاٹ پر سوتے تھے اور آپ کی امّت کے قدموں تلے کسریٰ کا تخت ہے مسلمانوں نے جب سے ایران کو فتح کیا ہے اُس وقت سے آج تک ایران کا تخت ان کے قدموں میں ہے یعنی ایران پر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ یہ بات مسلمانوں کو حضورؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے ہی سے حاصل ہوئی ہے۔

ہمارے نبیؐ "غارِ حرا" میں تنہا خدا کی عبادت کیا کرتے تھے مگر جب غار سے نکل کر لوگوں کو ہدایت کی تو اس کے نتیجے میں ایک قوم بن گئی، اور حکومت قائم ہو گئی اور اس قوم کو آئین مِل گیا۔ آپ راتوں خدا کی یاد میں جاگے ہیں تب یہ قوم تختِ شاہی پر سوئی ہے یعنی مسلمان بادشاہ ہوئے اور صدیوں تک اس حالت میں سوئے کہ تخت و تاج کے مالک تھے۔ آپ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ لڑائی کے وقت آپ کی تلوار لوہے کے بھی ٹکڑے اڑا دیتی تھی اور آپ کی

رحم دلی کا یہ حال تھا کہ نماز میں آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔

ہمارے نبیؐ نے یہ تعلیم دی کہ دین کے ذریعے دنیا کی زندگی کو کس طرح خوش گوار بنایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی پوری زندگی کی رہنمائی کی اور یہ بتا دیا کہ اگر تم مومن رہو گے تو تم ہی دنیا میں اعلیٰ رہو گے چنانچہ مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے آدھی سے زیادہ دنیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جہاں قبضہ کیا وہاں حکومت کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ وہاں کے رہنے والوں کو یہ محسوس ہوا کہ گویا وہ دوزخ سے نکل کر جنت میں آ گئے۔ ظاہر ہے یہ کام کوئی دوسرا نہ کر سکا اس لئے اقبال نے سچ کہا ہے کہ آپ جیسا دنیا میں دوسرا پیدا نہ ہوا۔

ہمارے نبیؐ کے نزدیک پست و بلند اور ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر تھے۔ آپ اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

مکہ فتح ہوا تو آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کر دیا۔ کافروں نے حضورؐ کو بڑی تکلیف دی تھی مگر مکہ فتح کرنے کے بعد جب آپ کو بدلہ لینے کا حق بھی تھا اور قوت بھی حاصل تھی آپ نے فرمایا کہ تم سب کو معاف کر دیا گیا۔ آج تم کو کسی قسم کی سزا نہیں۔

۱۔ اوپر کا مضمون اقبال کی کتاب "اسرار خودی" سے لیا گیا ہے

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ ہم نے اس کے خاص خاص حصّوں کو اردو میں ترجمہ کر لیا ہے۔

فارسی زبان میں "اسرار خودی" اقبال کی پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں اقبال نے خودی کو پہچاننے کی تعلیم دی ہے۔ بہت سے لوگ خودی کا نام سُن کر چونک پڑے کیونکہ خودی کے ایک معنیٰ غرور کے بھی ہیں۔ حالانکہ اقبال نے یہ بتایا ہے کہ اپنے آپ کو جان لینا خودی کو پہچانتا ہے۔

آپ لوگ کہیں گے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے، ہر انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔ مگر یہ جاننا، جاننا نہیں۔ اصل جاننا تو یہ ہے کہ انسان کو خدا نے جو طاقتیں بخشی ہیں وہ ان سب سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔ شیر جب تک شکار پر حملہ نہ کرے وہ نہیں جانتا کہ اس میں کتنی قوت ہے۔ اسی طرح انسان جب تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرتا ہے اس کی خودی دبی رہتی ہے۔ مگر جب کوئی سہارا نہیں رہتا اور اُسے اپنی قوت اور طاقت سے کام لینا پڑتا ہے تو اس کی خودی اُبھرتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب میرے ہی لئے ہے۔ میں اپنی ذاتی قوتوں کو کام میں لاؤں تو مشکل سے مشکل کام بھی کر سکتا ہوں۔ اور وہ کون سی چیز ہے جو میں اپنی کوشش اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا۔

اگلے زمانے کے بہت سے شاعروں نے اس بات کو نہیں سمجھا

بلکہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ انسان کو اپنی خودی بالکل مٹا دینی چاہیئے۔ اس قسم کے خیالات سب سے پہلے یونان میں پیدا ہوئے اور جب یونان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا تو بہت سے مسلمان شاعر بھی یہ باتیں نئے نئے طریقوں سے بیان کرنے لگے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُسے خدا پر بھروسہ کر کے ایک کونے میں بیٹھ رہنا چاہیئے۔ اس قسم کے خیالات نے مسلمانوں کے بازوؤں کو سست اور ان کی تلواروں کو کند کر دیا اور انھیں اپنے آپ پر بالکل بھروسہ نہ رہا۔ اقبال نے "اسرار خودی" میں ایسے شاعروں کی سخت مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنا قوم کے لئے موت کا پیغام ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو پہچانو، اپنے دل سے ڈر اور خوف بالکل نکال دو۔ دریاؤں میں کود پڑو۔ موجوں سے لڑو۔ چٹانوں سے ٹکرا جاؤ۔ کیونکہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔ جنگ کا میدان ہے۔

۲۔ اپنے نبیؐ کا نام بار بار پڑھ کے زبانی یاد کرلو۔ پورا نام اس طرح یاد کرو "حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم"

۳۔ "غارِ حرا"۔ مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار ہے جس کو "غارِ حرا" کہتے ہیں۔ ہمارے نبیؐ اس غار میں مہینوں قیام فرماتے اور خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ

لے جاتے، وہ سامان ہو چکتا تو گھر پر تشریف لے آتے اور پھر واپس جا کر خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

۴۔ ہمارے نبیؐ اپنے آزاد کئے ہوئے غلام حضرت زیدؓ کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے نزدیک آقا و غلام کوئی چیز نہیں ہے۔

۵۔ رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں مکہ فتح ہوا۔ اسلام کا لشکر جب مکے کی طرف بڑھا تو مسلمان سپاہی ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے تو دشمن پر خوف طاری ہو گیا۔ حضورؐ نے اُن سے پوچھا "تم کو معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟" سب پکار اُٹھے تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ" حضورؐ نے فرمایا "آج تم پر کوئی الزام نہیں، تم سب آزاد ہو"۔ اس طرح ہمارے نبیؐ نے اپنے بد ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ یہ آپ کی شانِ رحمت تھی۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

مشق

۶۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کرو۔

(الف) ہمارے نبیؐ کا نام . . . . . ہے

(ب) حضورؐ جب نماز میں ہوتے تھے تو . . . . آنسو بہتے رہتے تھے۔

(ج) ہمارے نبیؐ . . . . میں تنہا، خدا کی . . . . کیا کرتے تھے

۷۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں کو اپنی کاپی میں صاف صاف اور خوشخط نقل کرو۔

(الف) حضورؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں مسلمانوں کی عزت ہے۔

(ب) آپ کی آنکھیں راتوں نہیں سوئی ہیں۔

۴۔ ہمارا قومی ترانہ

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مُسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

دُنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اُس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

اے موجِ دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو؟
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے ارضِ پاک! تیری حُرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

۱۔ "قومی ترانہ" کو زبانی یاد کرو۔

۲۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی
توحید	خدا کو ایک ماننا اور اس کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرنا۔
بتکدہ	وہ جگہ جہاں بت رکھے ہوں، بتخانہ
پاسبان	چوکیدار، حفاظت کرنے والا
سیل	پانی کا ریلا
سالار	سردار
سالارِ کارواں	قافلے کا سردار
میرِ حجاز	حضرت محمد مصطفےٰ ؐ
خنجر ہلال کا	پہلی رات کے چاند کی شکل تلوار کی جیسی ہوتی ہے

لفظ	معنی
	قومی جھنڈے پر جو چاند اور تارہ ہوتا ہے تو اقبال نے اس چاند کو خنجر کہا ہے۔
باطل	جو حق نہ ہو، جھوٹا
ارضِ پاک	عرب کی سرزمین (خصوصاً حجاز)
بانگِ درا	قافلہ رخصت ہونے کی آواز
جادہ پیما	راستہ چلنے والا
ہونا ہے۔ جادہ پیما	روانہ ہونے والا ہے۔

٣۔ نیچے لکھے ہوئے شعروں کو اپنی کاپی میں صاف صاف اور خوشخط نقل کرو۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

۵- ایک مکڑا اور مکھّی

اک دن کسی مکھّی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمہارا

لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا

غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا

آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا

مکھّی نے سُنی بات جو مکڑے کی تو بولی
"حضرت! کسی ناداں کو دیجے گا یہ دھوکا!

اس جال میں مکھّی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اُترا"

مکڑے نے کہا "واہ فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا

منظور تمہاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا

اُڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے!
ٹھہرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا؟

اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا

لٹکے ہوئے دروازے پہ باریک ہیں پردے
دیوار کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا

مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسر نہیں ہوتا

مکھّی نے کہا "خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں یہ امید نہ رکھنا

ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی اِن پہ تو پھر اُٹھ نہیں سکتا"

مکڑے نے کہا دل میں سُنی بات جو اُس کی
پھانسوں اسے کس طرح؟ یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے "بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رُتبا
ہوتی ہے اُسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سرآپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی!
پھراس یہ قیامت ہے یہ اُڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سُنی جب یہ خوشامد تو پسیجی
بولی کہ "نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں بُرا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اُڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اُسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اُڑایا

الفاظ کے معنی:۔

کٹیا۔ جھونپڑی

کلغی۔ پرندوں کے خوشنما پر جو بادشاہ اپنے تاج، ٹوپی یا پگڑی پر لگاتے ہیں۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
پسیجی۔	مہربان ہوئی، نرم ہوئی	اُڑایا۔	کھایا
رُتبہ۔	درجہ، مرتبہ	کنی۔	ٹکڑا، ریزہ ہیرے کا ریزہ

نظم کا مطلب :-

ایک دن ایک مکڑا کسی مکھّی سے کہنے لگا کہ "تم ہر روز اس طرف سے گزرتی ہو لیکن کبھی میری کُٹیا میں نہیں آئیں۔ غیروں سے نہ مِلو تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اپنوں سے اس طرح دُور دُور رہنا اچھا نہیں۔ میرے گھر میں آؤ تو یہ میرے لئے عزّت کی بات ہے اگر آنا منظور ہو تو وہ سامنے سیڑھی ہے اُس پر چڑھ کے آؤ"۔

مکھّی نے مکڑے کی بات سُنی تو کہنے لگی "حضرت! ایسا دھوکا کسی نادان کو دیجئے، مکھّی آپ کی چال میں کبھی نہیں آئے گی کیونکہ جو آپ کی سیڑھی پر چڑھتا ہے وہ پھر کبھی نہیں اُترتا" (وہیں ختم ہو جاتا ہے)

مکڑے نے کہا، کیا آپ نے مجھے فریبی سمجھا ہے؟ اگر یہ بات ہے تو تم سا نادان دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ مجھے تو محض تمہاری خاطر منظور تھی ورنہ اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ نہ تھا۔ خدا جانے کہاں سے اُڑتی ہوئی آئی ہو۔ اگر میرے گھر میں ٹھہرو اور رستا لو تو اس میں بُرائی کیا ہے؟ اِس گھر میں آپ کو دکھانے کی بھی کئی چیزیں ہیں اگرچہ یہ باہر سے ایک کٹیا نظر آتا ہے۔ دروازے پر باریک پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ دیواروں کو آئینوں سے سجایا گیا ہے، اور مہمانوں کے آرام کرنے کے لئے بچھونے بھی ہیں۔ ہر شخص کو یہ سامان کہاں میسر آتا ہے"۔

مکھی نے کہا۔ "جی ہاں یہ سب درست ہے مگر یہ امید نہ رکھیے کہ میں آپ کے گھر آؤں۔ خدا مجھے ان نرم بچھونوں سے بچائے۔ جو کوئی ان بچھونوں پر سوتا ہے وہ پھر کبھی نہیں اٹھتا (بس مر کے ہی اٹھنا ہے")

مکڑے نے جب مکھی کی بات سُنی تو اپنے دل میں سوچا یہ کمبخت تو سمجھدار ہے، اس کو کس طرح پھانسوں! خوشامد سے دنیا میں سیکڑوں کام نکلتے ہیں۔ دنیا میں جس کو دیکھو خوشامد کا بندہ ہے۔ یہ سوچ کے اُس نے مکھی سے کہا۔

"بڑی بی! اللہ نے آپ کو بڑا رُتبہ بخشا ہے۔ جو کوئی آپ کو ایک نظر دیکھ لیتا ہے اس کو آپ کی صورت سے محبت ہو جاتی ہے۔ آپ کی آنکھیں کیا ہیں ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں ہیں۔ اور آپ کے سر کو خدا نے کلغی سے سجایا ہے۔ یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی، پھر اس پر آپ کا یہ اڑتے ہوئے گانا اور بھی قیامت ہے!"

مکھی نے جب یہ خوشامد کی باتیں سنیں تو مہربان ہو گئی اور بولی "مجھے آپ سے کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ میں انکار کی عادت کو اچھا نہیں سمجھتی۔ کسی کا دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا۔" یہ بات کہی اور اپنی جگہ سے اُڑ کر مکڑے کے پاس آئی۔ تو مکڑے نے اُچھل کر اُسے پکڑ لیا۔ اور چونکہ وہ کئی دن کا بھوکا تھا اب جو مکھی ہاتھ آئی تو اس کو گھر میں آرام سے بیٹھ کے کھایا۔

۲- اقبال نے اس نظم میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان اپنے پیٹ کے لئے کیسے کیسے ہتھکنڈے کرتا ہے اور کیسے کیسے فریب دیتا ہے۔ اور جب اس کا فریب نہیں چلتا تو پھر خوشامد کرکے رام کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے انسان کو غرض کے بندوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ نہ ان کی فریب کی باتوں میں آنا چاہئے نہ خوشامد سے خوش ہوکر ان کو دوست سمجھ لینا چاہئے۔ خوشامد اچھے اچھے عقلمندوں کو بیوقوف بنا دیتی ہے اور وہ جان بوجھ کر بھی دشمن کے ہاتھوں برباد ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات وہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ انسان کی فطرت خوشامد کو کیسا پسند کرتی ہے کہ آدمی جان بوجھ کر بھی کہ فلاں شخص اس کا جانی دشمن ہے، جب وہ شخص خوشامد کرنے لگتا ہے تو اس کی دشمنی کو بھول جاتا ہے اور اس طرح دشمن کو کامیاب ہونے کا موقع دیتا ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے اندر خوشامد پسندی کی عادت پیدا نہ ہونے دے۔

مشق

۴- مکڑے اور مکھی کی ‌ ‌ ‌ اپنے جملوں میں بیان کرو۔

۵- اس شعر کو صاف صاف اور خوشخط اپنی کاپی میں نقل کرو۔

غیروں سے نہ ملئے تو کوئی بات نہیں ہے ‌ ‌ ‌ اپنوں سے مگر چاہئے یوں کھنچ کے نہ رہنا

۶- نیچے لکھے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

پسیجا — اُڑایا - کھٹکا - سجایا - میسر

۶- ایک پرندہ اور جگنو

شام کا وقت تھا ایک گانے والا پرندہ کسی درخت کی ٹہنی پر بیٹھا گا رہا تھا۔ ایک چمکتی ہوئی چیز زمین پر دیکھی تو اُسے جگنو سمجھ کر اُڑا اور اس کے پاس جا کر اُس پر چونچ مارنے لگا جگنو نے کہا "اے پرندے! ایک بیکس پر چونچ نہ مار۔ جس نے تجھے چہکنا اور پھولوں کو مہکنا عطا کیا ہے۔ اسی اللہ نے مجھے روشنی دی ہے۔ میں نور کے لباس میں چھپا ہوا تنگو کے جہان کا طور ہوں۔ اگر تیرا گانا کانوں کی جنت ہے تو میری روشنی آنکھوں کی بہشت ہے۔ قدرت نے میرے پروں کو روشنی دی ہے تو تجھے دل کش آواز دی ہے۔ تجھے گانا سکھایا تو مجھے باغ کی مشعل بنایا ہے۔ مجھے چمک بخشی ہے تو تجھے آواز۔ مجھے سوز دیا ہے تو تجھے ساز۔ غرضکہ اس دنیا کی محفل ہم آہنگی، آپس میں صلح صفائی رکھنے کے ذریعے ہی قائم ہے۔ جس وقت دنیا میں صلح اور محبت کے بجائے مخالفت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کی ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔

۱- یہ اقبال کی نظم "ایک پرندہ اور جگنو" کا مضمون ہے۔

نظم کے ذریعے اقبال یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اس لئے بھی ان میں باہم صلح اور محبت ہونی چاہئے اور اس دنیا کا چین اور آرام بھی آپس میں محبت اور اتحاد رکھنے ہی سے رہتا ہے اس لئے بھی ایک دوسرے کی مخالفت کرنے اور لڑنے بھڑنے کے بجائے سب کو میل ملاپ اور محبت سے رہنا چاہئے تاکہ دنیا کی رونق بھی قائم رہے اور اس کے بسنے والوں کو چین اور آرام بھی نصیب ہو۔

مشق

۲۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہ کو پر کرو۔

(الف) پرندہ درخت کی ٹہنی پر بیٹھا . . . . . . تھا

(ب) میں تنگوں کے جہان کا . . . . ہوں

(ج) اگر تیرا اگانا . . . . . جنت ہے تو میری روشنی آنکھوں کی . . . . . . ہے۔

۳۔ تم اقبال کی نظم کے اس شعر کو زبانی یاد کرو۔

ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی — اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

۴۔ ان دو شعروں کو خوش خط اور صاف صاف اپنی کاپی میں نقل کرو۔

کہا جگنو نے او مرغ نوا ریز — نہ کر بیکس پہ منقار ہوس تیز

تجھے جس نے چہک، گل کو مہک دی — اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی

ناظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی
ہوس ۔	کسی چیز کی بہت زیادہ خواہش کرنا ۔
طُور ۔	وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰؑ نے خدا کا جلوہ دیکھا تھا ۔
بہشت ۔	جنت
دلکش ۔	دل کو لبھانے والی
مَشعل ۔	لکڑی کے سرے پر کپڑے کی موٹی بتی باندھ کر اس کو تیل ڈال کر جلاتے ہیں ۔

لفظ	معنی
سوز ۔	جلن، مخالفت، رنج و تکلیف
ساز ۔	صلح، موافقت کرنا آرام،
رفیق ۔	ساتھی، دوست
بزمِ ہستی ۔	دنیا کی محفل یعنی دنیا
ہم آہنگی ۔	یکسانی، موزونیت، اتفاق ۔

۶ ۔ نیچے دیئے ہوئے لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کرو ۔

ہوس ۔ دلکش ۔ رفیق ۔ طُور ۔ بہشت

۷- ایک پرندہ جو پیاس سے بیتاب تھا

ایک پرندہ پیاس کی وجہ سے بیتاب تھا۔ اُس کو باغ میں ایک ہیرے کا ٹکڑا نظر آیا۔ پیاس کی وجہ سے اُس نے اُس ہیرے کو پانی سمجھ لیا۔ اور پاس جا کر اُس پر چونچ مارنے لگا تاکہ اُس سے اپنی پیاس بجھائے۔ مگر اُس کو پانی نہیں ملا۔

ہیرے نے کہا، "اے نادان! تو مجھ پر چونچ کیا مارتا ہے میں پانی نہیں ہوں ہیرا ہوں! میرے پانی سے تیری پیاس نہیں بجھے گی۔ میں دوسروں کے لئے زندہ نہیں ہوں کہ دوسرے مجھے استعمال کریں اگر تو مجھ سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے تو یہ تیری کم عقلی ہے۔ میرا پانی پرندوں کی منقار کو توڑ دیتا ہے بلکہ اس سے آدمی بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ہیرے سے ناامید ہو کر وہ پرندہ وہاں سے چل دیا۔ اتنے میں اُسے شبنم کا قطرہ نظر آیا جو شاخ پر چمک رہا تھا اور آفتاب کے ڈر سے کانپ رہا تھا۔ پرندہ شاخ کے نیچے پہنچا تو شبنم کا قطرہ اس کے منہ میں ٹپک گیا۔

لوگو! اگر تم دشمن سے اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو میں پوچھتا ہوں

تم قطرہ ہو یا ہیرا؟ پرندہ پیاس کی تکلیف سے بے چین تھا تو اُس نے دوسرے کی زندگی کو اپنا سرمایہ بنالیا۔ ہیرا سخت تھا اس لئے باقی رہا۔ قطرہ سخت نہ تھا اس لئے ختم ہو گیا۔ اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو ہیرا بنو، شبنم نہ بنو۔

۱۔ یہ حکایت "اسرارِ خودی" سے لی گئی ہے۔

۲۔ حکایت کا مقصد خود اقبال نے بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنی خودی کی حفاظت کرنے سے ایک دم کے لئے بھی غافل نہ رہو۔ ہیرے کے ٹکڑے کی طرح مضبوط بننا چاہیئے۔ شبنم کی طرح نرم بننا اچھا نہیں ہوتا۔

۳۔ "خودی" کے معنیٰ ہیں "اپنی ذات میں چھپی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں" یعنی جو لوگ اپنی ذات میں چھپی ہوئی قوتوں کو پہچانتے ہیں اور ان سے کام لیتے ہیں۔ ان کے اندر مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر یہ بات بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے آدمی کو اچھے علم اور اچھی صحبت میں بیٹھ کر اچھی عادتیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی چھپی ہوئی قوتوں کو صحیح طور پر استعمال کر سکے۔

مشق

۴۔ الفاظ کے معنی یاد کرو:-

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بیتاب	بے قرار، بے چین		دمک کو اُس کی آب کہتے ہیں
پانی	چمک، آب، ہیرے اور موتی وغیرہ کی چمک	سرمایہ	پونجی
		بقا	زندگی

۵۔ نیچے لکھے ہوئے آدھورے جملوں کو پورا کرو۔

(الف) ایک پرندہ پیاس کے مارے۔ . . . . .

(ب) دو کبوتر ہوا میں . . . .

(ج) اتنے میں پرندے کو شبنم کا . . . .

۶۔ نیچے دیئے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

بیتاب ۔ ہوس ۔ آفتاب ۔ سرمایہ ۔ پیاس

۷۔ اپنی کاپی میں صاف صاف اور خوشخط نقل کرو۔

اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو ہیرا بنو، شبنم نہ بنو

٨- ہارون رشید اور حضرت امام مالکؒ

مسلمانوں کے امیر ہارون رشید نے حضرتِ امام مالکؒ کو پیغام بھیجا کہ "اے محترم! میں آپ سے حدیث پڑھنا چاہتا ہوں. مہربانی فرما کر عراق تشریف لائیے۔ عراق کا کیا کہنا ہے! یہاں کا دن کیسا روشن ہوتا ہے! پھر عراق کے انگوروں کی تو تعریف ہی نہیں ہوسکتی۔ جن سے آبِ حیات ٹپکتا ہے۔ اور عراق کی خاک زخم کے لئے شفا دینے والے مرہم کا کام کرتی ہے"

حضرتِ مالکؒ نے جواب دیا کہ امیر المومنین! میں محمد مصطفٰےؐ کا نوکر ہوں اور میرے سر میں مصطفٰےؐ کے خیال کے سوا اور کوئی خیال نہیں ہے۔ بھلا میں اس آستانے کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں! عراق کے دن سے تو یہاں کی رات بدرجہا بہتر ہے۔ عشق کہتا ہے کہ بس میرا کہنا مان اور بادشاہوں کو اپنی چاکری میں بھی قبول نہ کر اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپکا غلام بن جاؤں! پھر یہ بھی کس قدر عجیب بات ہے کہ آپ کو پڑھانے کے لئے میں آپ کے دروازے پر حاضر ہوں! امیر المومنین قوم کا چاکر آپکا چاکر نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ علم دین سیکھنا چاہتے ہیں تو میرے شاگردوں کے ساتھ درس میں آ کر بیٹھیے۔

۱۔ یہ حکایت اقبال کی کتاب ''رموزِ بیخودی'' سے لی گئی ہے۔ رموز بیخودی فارسی نظم ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ اردو میں کر لیا ہے۔ اس کتاب میں اقبال نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام کا بنایا ہوا آئین قوم کے لئے بہترین ضابطہ ہے۔ اور مختلف اسلامی اصولوں پر بحث کر کے اس بات کو مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے اسلامی آئین پر کسی دوسرے آئین کو ترجیح نہ دیں۔ بلکہ اپنے اسلامی آئین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ عزت کی زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

۲۔ اس حکایت میں یہ دکھایا ہے کہ اسلام کو سمجھنے والے ایسے خوددار ہوتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کی محبت اور قوم کی خدمت کے مقابلے میں کسی چیز کو خیال میں نہیں لاتے۔ ایسے ہی مضبوط خودی کے لوگوں نے دنیا میں اسلام پھیلایا ہے اور دین کی خدمت کی ہے۔

مشق

۳۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کرو۔

(الف) ہارون الرشید نے امام مالکؒ کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھیجا۔

(ب) میرے سر میں محمد مصطفےٰ کے خیال کے سوا اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں ہے۔

(ج) قوم کا خادم بادشاہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں ہو سکتا۔

۴۔ ہارون رشید اور امام مالکؒ کی حکایت کو اپنے جملوں میں بیان کرو۔

۵۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی
حدیث	بات، جو کچھ رسولِ خداؐ نے فرمایا۔
آبِ حیات	وہ پانی جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کے پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی۔
آستانہ	دہلیز، چوکھٹ، بارگاہ
درس	سبق
علمِ دین	دین کا علم، قرآن اور حدیث وغیرہ

۶۔ ان جملوں کو اپنی کاپی میں صاف صاف اور خوشخط نقل کرو۔

(الف) میرے سر میں محمد مصطفےٰؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے سوا اور کوئی خیال نہیں ہے۔

(ب) قوم کا خادم بادشاہ کا نوکر نہیں ہو سکتا۔

۹۔ ہمدردی

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک؟ — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

۱۔ اس نظم کو اس طرح سمجھو۔ کسی درخت کی شاخ پر ایک بلبل رنجیدہ بیٹھا تھا۔ اور یہ کہہ رہا تھا کہ "افسوس! میں نے سارا دن اڑنے چگنے میں گزار دیا اور اب رات آگئی۔ اپنے گھر کس طرح پہنچوں، ہر چیز پہ اندھیرا چھا گیا ہے۔ وہیں ایک جگنو بھی بلبل کا رونا جھینکنا سن رہا تھا وہ کہنے لگا۔" اگرچہ میں ذرا سا

کیڑا ہوں مگر آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ رات سر پر آگئی تو غم نہ کیجئے میں راستے میں روشنی کردوں گا۔ کیونکہ اللہ نے مجھے مشعل دی ہے۔

۲۔ اقبال نے اس نظم کا مقصد آخری شعر میں بیان کر دیا ہے یعنی وہی لوگ دُنیا میں اچھے ہیں جو دوسروں کے کام آتے ہیں تم اتنا اور سمجھ لو کہ دوسروں کی مدد کرنے میں اپنی کم درجے کی حیثیت کو نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہم کیا حیثیت رکھتے ہیں جو کسی کی مدد کریں! یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ جو کچھ تم کر سکتے ہو اس میں کمی نہ کرو۔ کہ یہی تمہارا اخلاقی فرض ہے۔

مشق

۳۔ آخری شعر کو زبانی یاد کرلو اور اسی کو اپنی کاپی میں صاف صاف خوشخط لکھو۔

۴۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
شجر	درخت	مَشعل	کپڑے کی بڑی بتی تیل میں تر کر کے لکڑی کے ایک سرے پر باندھ کر اس کو جلاتے ہیں
اُداس	رنجیدہ		
آشیاں	گھونسلا		
آہ وزاری	رونا، جھینکنا		

۵۔ نیچے کے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کرو۔

(الف) کسی درخت کی شاخ پر ایک بلبل . . . . . بیٹھا تھا۔

(ب) اگرچہ میں ذرا سا . . . . . . ہوں۔

(ج) اللہ نے مجھے . . . . دی ہے۔

۶۔ ان لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

اُداس آہ وزاری۔ آشیاں

۱۰۔ سیرِ فلک

ایک نظم میں اقبال نے اپنی آسمان کی خیالی سیر کا بیان اس طرح کیا ہے۔

میں اپنے خیال میں ایک دن آسمان کی طرف روانہ ہوا۔ اُڑتا چلا جا رہا تھا اور آسمان پر میرا جاننے والا کوئی نہ تھا تارے مجھے بڑے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے لئے میرا سفر ایک ایسا راز تھا جس سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ غرضکہ میں اس پرواز میں اتنا بلند ہو گیا کہ صبح و شام کا یہ پُرانا نظام بھی پیچھے رہ گیا۔ اس بلندی پر پہنچ گیا جہاں صبح و شام نہ تھے۔ وہاں پہنچ کر میں نے جنت کو دیکھا۔ جنت کی تعریف کیا کروں! بس یہ سمجھ لو آنکھوں اور کانوں کی تمام تمنّاؤں کے پورا ہونے کی جگہ ہے۔ دیکھنے کی چیزیں بھی ایسی ایسی خوشنما اور خوبصورت کہ بیان نہیں کر سکتا اور آوازیں بھی ایسی دلکش کہ کانوں نے ایسی آوازیں زندگی میں کبھی نہیں سُنیں۔ طوبیٰ کی شاخوں پر پرندے بڑے میٹھے سُروں میں راگ گا رہے تھے۔ اور جنّت کی حوریں بالکل کھُلے بندوں اپنا جمال دکھا رہی تھیں خوبصورت ساقی اپنے ہاتھوں میں جام لئے شرابِ طہور پلا رہے تھے۔ اور پینے والے خوشی میں مست ہو کر شور کر رہے تھے۔

جنّت سے دُور ایک تاریک گھر نظر آیا جہاں بالکل سنّاٹا تھا۔ اور ٹھنڈک بھی تھی۔ اس گھر کے اندھیرے کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ اور ٹھنڈا ایسا تھا جیسا "کرۂ زمہریر" میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو جو جواب ملا وہ بڑا حیرت میں ڈال دینے والا تھا۔ کہا یہ ٹھنڈا مقام دوزخ ہے۔ یہاں نہ آگ ہے نہ روشنی۔ یہ ان دونوں چیزوں سے خالی ہے۔ اس کے شعلے جن کے بارے میں سُن سُن کر لوگ کانپتے ہیں، مانگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے اپنے نہیں ہوتے۔ مانگے ہوئے اس طرح کہ دنیا والے جو یہاں آتے ہیں اپنے انگار اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ یعنی وہ جو کچھ دنیا میں بُرے کام کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ آتے ہیں اور یہاں وہ برے کام ان کے لئے انگارے بن جاتے ہیں۔

مشق

۱۔ تم اس نظم کے آخری شعر کو زبانی یاد کرلو۔ اور اسی کو اپنی کاپی میں خوشخط نقل کرو۔ شعر یہ ہے۔

اہلِ دُنیا یہاں جو آتے ہیں　　　اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

۲۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
راز۔	بھید		
طوبیٰ۔	جنت میں ایک درخت ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی ایک ایک شاخ ہر جنتی کے گھر میں ہوگی۔		

لفظ	معنی	لفظ	معنی
حُور ۔	جنت کی عورتیں جو نہایت خوبصورت ہوں گی	شرابِ طہور ۔	جنت کی پاک شراب
جمال ۔	حسن، خوبصورتی	تاریک ۔	سیاہ، وہ جگہ جہاں اندھیرا ہو۔
ساقی ۔	پلانے والا	کرۂ زمہریر ۔	وہ کُرہ جہاں سخت سردی ہوتی ہے یہ کُرہ ہوا کے وسط میں ہے

۳۔ نیچے کے جملوں کو پورا کرو۔

(الف) طوبیٰ کی شاخوں پر پرندے میٹھے سروں میں . . . .

(ب) انسان اپنی جنت اور دوزخ . . . .

(ج) خوبصورت ساقی اپنے ہاتھوں میں جام لئے . . . . . .

١١- ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب! — کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو!
مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری — دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
لذّت سرود کی ہو، چڑیوں کے چہچہوں میں — چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل — ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مِرا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں — ندّی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ — پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ — پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھُو رہی ہو جھُک جھُک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سُرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — اُمّید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
بجلی چمک کے اُن کو کُٹیا مری دکھا دے — جب آسماں پہ ہر سو بادل گھِرا ہوا ہو
پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی موذّن — میں اُس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں — روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نُما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا مِرا وضو ہو، نالہ مِری دعا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مِرا رُلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید اُنھیں جگا دے

نظم کا مطلب :-

اے اللہ! اب دنیا کی محفلوں میں میرا جی نہیں لگتا۔ اس لئے کہ لوگوں کی غفلت اور خود غرضیوں کو دیکھ کر میرا دل بُجھ گیا۔ اور جب دل بُجھ گیا ہو تو محفل کا لطف نہیں آسکتا۔

اب تو جی یہ چاہتا ہے کہ کسی پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنالوں، جہاں چڑیوں کے چہچہانے میں گانے کا مزا ہو اور قدرتی چشموں کے شور میں باجے کی آواز کا لطف ہو۔ بلبل مجھ سے ایسی گُھل مل جائے کہ اس کے دل میں میرا ڈر بالکل نہ رہے جھونپڑی کے دونوں طرف ہرے ہرے بوٹے صف باندھے کھڑے ہوں۔ اور ندی کا صاف شفاف پانی ان کی تصویر لے رہا ہو۔

پہاڑوں کا نظارہ ایسا دلکش ہو کہ پانی بھی موج بن کر اُسے اُٹھ اُٹھ کے دیکھ رہا ہو۔

زمین کی گود میں سبزہ سویا ہوا ہو اور جھاڑیوں میں بہتا ہوا پانی جگہ جگہ چمک رہا ہو۔ پھولوں کی شاخ جُھک جُھک کر پانی کو چھو رہی ہو جیسے کوئی حسین آئینہ دیکھتا ہے۔

جب شام کا وقت ہو اور سورج شام کی دلہن کو مہندی لگائے (آسمان کے کناروں پر شفق نمودار ہو) تو پھولوں کا لباس سُرخ نظر آنے لگے۔

رات میں سفر کرنے والے جب تھک کر رہ جائیں تو میرے

ٹوٹے ہوئے دیئے کی روشنی سے ان کو امید ہوجائے کہ رات گزارنے کی جگہ میں جا رہے ہیں۔ اور جب آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں اور ہر طرف اندھیرا چھایا ہو تو بجلی کی چمک میں ان کو میری کٹیا نظر آجائے۔

کوئل جو پچھلی رات کو کُوکتی ہے، اُس کی کوک اذان کا کام دے۔ میں اُٹھ بیٹھوں اور خدا کی یاد میں لگ جاؤں۔ اور اس طرح کوئل اور میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہوجائیں۔

میرے کانوں پر مسجد اور مندر کا احسان نہ ہو۔ یعنی میں مسجد کی اذان یا مندر کے سنکھ کی آواز سے بیدار نہ ہوں بلکہ جھونپڑی کے سوراخ سے جو روشنی نظر آئے اس سے سمجھ لوں کہ صبح ہوگئی ہے۔ اور جس وقت شبنم پھولوں کو وضو کرانے آئے تو میرا رونا میرا وضو ہو اور میرا نالہ میری دعا ہو۔ اور یہ رونا ایسا اثر پیدا کرے کہ اس سے ہر دردمند دل رونے لگ جائے اور شاید اسی طرح غفلت میں پڑے سوئے ہوئے لوگ جاگ اُٹھیں!

ا۔ جس حالت میں اقبال نے یہ نظم لکھی ہے ایسی حالت کبھی کبھی قوم کے ہر سچے خیر خواہ کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ قوم کا سچّا خیر خواہ جب دیکھتا ہے کہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کے دل میں ایک دوسرے کی ہمدردی کے

بجائے خود غرضی ہی خود غرضی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اغراض میں گُم ہو کر خدا کو بھی بھول گئے ہیں۔ اور جو جی میں آتی ہے کرتے ہیں تو اُس کو ایسے لوگوں کی صحبت سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ ان سے بھاگ کر بہت دُور چلا جائے۔ ایسی جگہ جہاں قدرت کے نظّارے اس کی نگاہ کے سامنے ہوں۔ ایسے نظارے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور ان قدرتی نظاروں میں وہ سب کچھ بھول کر خدا کی یاد میں محو ہو جائے۔

۲۔ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے یہ بھی بتا دیا کہ ایسے خود غرض اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں سے تو قدرتی مناظر اور جنگل کی تنہائی میں رہنا بہت اچھا ہے۔ جہاں کی ہر چیز سے رنج و غم کے بجائے مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے اور جہاں پرندے تک خدا کی یاد کرتے ہیں۔ اور یہ سبق بھی دیا ہے کہ میں وہاں بھی خود غرضی سے دور رہ کر لوگوں کی کسی نہ کسی طرح خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں۔ مثلاً رات کے مسافر جب تھک کر رہ جائیں تو وہ میری کٹیا میں قیام کر سکیں۔ اور میں وہاں پچھلی رات کو اُٹھ کر یکسوئی کے ساتھ خدا کا ذکر کروں اور رو رو کر دعا مانگوں کہ الٰہی ان لوگوں کو سمجھ عطا فرما کہ یہ خود غرضی چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں اور غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اپنی ترقی کی منزلوں کی طرف چل پڑیں۔

۳- اس نظم سے تم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اقبال کو مناظرِ قدرت کی تصویر کھینچنے میں کیسا کمال حاصل تھا۔

مشق

۴ معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
اُکتانا	بیزار ہونا، تنگ آنا جی نہ لگنا۔	نظّارہ	تماشا
مرتا ہوں	بہت زیادہ چاہتا ہوں	موج	لہر
خامشی	خاموشی	آغوش	گود
سرود	گانا	قبا	لباس
شورش	شور	دِیا	چراغ
مانوس	محبت کرنے والا، چاہنے والا۔	موذّن	اذان دینے والا
کھٹکا	ڈر	ہم نوا	ہم آواز
دل فریب	دلکش	دَیر	مندر
		حَرم	کعبہ، مسجد
		سحر نما	صبح دکھانے والا

۵- نیچے لکھے ہوئے ادھورے جملوں کو پورا کرو:-

(الف) دنیا کی محفلوں میں .... نہیں لگتا۔

(ب) چڑیوں کے چہچہانے میں .... مزا ہو۔

(ج) پھولوں کی شاخ جھک جھک کر ..... چھو رہی ہو۔

۶۔ اقبال نے یہ نہار رہنے کی آرزو کس وجہ سے کی ہے؟

۷۔ ذیل کے اشعار کو صاف صاف، خوشخط اپنی کاپی میں نقل کرو اور زبانی بھی یاد کرو۔

(الف)

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

(ب)

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مرا دعا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انھیں جگا دے

۱۲۔ شکوہ اور جوابِ شکوہ سے انتخاب

شکوہ

ہم جو جیتے تھے تو، جنگوں کی مصیبت کیلئے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی، حکومت کے لئے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے؟

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے، ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سُنایا ہم نے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

جوابِ شکوہ

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک ؟

حرمِ پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہونے جو مسلمان بھی ایک؟
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
اُمَرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غُربا کے دم سے

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سریرِ کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیّت ہے بھی؟

۱۔ "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" ۔ یہ دونوں نظمیں اقبال کی کتاب "بانگِ درا" میں ہیں۔ ہم نے تین تین بند دونوں میں سے انتخاب کیے ہیں۔

۲۔ "شکوہ" اپریل ۱۹۱۱ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں پڑھی گئی۔ اس کے چند ماہ بعد موچی دروازے باہر ایک بہت بڑے جلسے میں "جوابِ شکوہ" سنائی گئی۔ یہ جلسہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے اہتمام میں "جنگ بلقان" کے سلسلے میں ہوا تھا کہ ترکوں

کے لئے چندہ جمع کیا جائے۔ نظم کے ختم ہونے پر اس کی ہزاروں کاپیاں فروخت ہو گئیں اور وہ تمام روپیہ بلقان فنڈ میں دیدیا گیا۔

اشعار کا مطلب :۔

اقبال کو قوم کی موجودہ حالت پر ایسا رنج ہوا کہ خدا سے شکوہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ شکوے میں مسلمانوں کی اسلام کے لئے قربانیوں اور اعلیٰ درجے کے کارنامے انجام دینے کا ذکر کرتے ہیں تاکہ خدا ان پر پہلے کی طرح مہربان ہو جائے اور وہ پھر دنیا میں ویسا ہی عزت کا مقام حاصل کریں جیسا اُن کو پہلے کبھی حاصل تھا۔ شکوے کے تینوں بندوں میں اسی قسم کے کارنامے بیان کئے ہیں۔

پہلا بند ——— خدا سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم زندہ رہتے تھے تو اس لئے کہ اسلام کی خاطر کافروں سے جنگ کریں اور مرتے تھے تو اس بات پر کہ دنیا میں تیرا نام بلند ہو۔ اور نہ حکومت کے لئے لڑتے تھے نہ دولت کے لئے صرف تیرے دین کی خاطر لڑتے تھے۔ اگر ہم زرومال پر مرتے تو بتوں کو توڑنے کی بجائے ان کے بدلے میں دولت حاصل کرتے۔

سُلطان محمود غزنویؒ جب سومنات کے مندر میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں گرز تھا۔ مندر کے پجاریوں نے عرض کیا کہ سلطان! ہمارے دیوتا کو نہ توڑ اور اس کے بدلے میں جتنا زروجواہر

چاہئے ہم سے لے لے ۔ مگر محمود نے کہا میں بُت فروش نہیں ہوں ! ، بُت شکن ہوں ! اور یہ کہہ کر بُت کو گُرز مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اقبال نے اپنے شعر میں اسی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

دوسرا بند ——— اگر ہم کسی لڑائی میں اڑ جاتے تھے تو پھر کسی طرح بھی نہیں ٹلتے تھے ۔ ہمارے مقابلے میں بڑے بڑے شیر دل بہادر بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے ۔ اور اگر کوئی تجھ سے سرکشی کرتا تھا تو ہم غصّے میں ایسے آپے سے باہر ہو جاتے تھے کہ پھر تلوار کیا چیز ہے توپ سے بھی لڑ جاتے تھے ۔ اس طرح اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تلوار وں کے سائے میں تیرا پیغام سناتے اور لوگوں کے دلوں پر تیری توحید کا نقش قائم کرتے تھے ۔

تیسرا بند ——— اگر عین لڑائی کی حالت میں نماز کا وقت آگیا تو فوراً قبلہ کی طرف رُخ کر لیا اور نماز ادا کی اور اس شان سے ادا کی کہ بادشاہ اور غلام ایک ہی صف میں کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہو گئے ۔ غلام اور آقا کا کوئی فرق باقی نہ رہا ۔

جوابِ شکوہ :۔

شکوے کے جواب میں خدا کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ تم نے جو مسلمانوں کے کارنامے بیان کئے ہیں وہ تمہارے باپ دادا کے کارنامے ہیں ۔ تم ذرا اپنی حالت دیکھو کہ تم کیا ہو ۔ تمہاری حالت تو

اتنی خراب ہے کہ تم کو مسلمان کہنا بھی اسلام کی توہین ہے۔

پہلا بند ـــــ ارشاد ہوتا ہے کہ اس قوم کا نفع بھی ایک ہے اور نقصان بھی ایک۔ نبی بھی سب کا ایک ہے، دین بھی اور ایمان بھی ایک ہے۔ حرم بھی ایک ہے، اللہ بھی اور قرآن بھی ایک ہے لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس کے باوجود مسلمان ایک نہیں ہیں۔ یہ بے شمار فرقوں اور ذاتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ پھر بتاؤ کیا دنیا میں خوش رہنے اور ترقی کرنے کی یہی باتیں ہیں؟

دوسرا بند ـــــ مسجدوں میں نماز کے لئے صفیں بھی غریب بناتے ہیں۔ روزے کی زحمت بھی غریب گوارا کرتے ہیں۔ بلکہ اب تو ہمارا نام بھی غریب ہی لیتے ہیں۔ امیر تو اپنی دولت کے نشے میں ایسے مست ہوئے ہیں کہ ہم کو بھول کر بھی یاد نہیں کرتے۔ اسلام اگر باقی ہے تو غریبوں کے دم سے باقی ہے۔

تیسرا بند ـــــ تم اپنے باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہو۔ مگر یہ تو سوچو کہ تم میں اور ان میں کتنا بڑا فرق ہے! تم آپس میں غضبناک ہو، وہ آپس میں ... تھے۔ تم خطا کرتے ہو، اور دوسروں کی خطائیں دیکھتے پھرتے ہو اور وہ دوسروں کی خطاؤں کو چھپاتے تھے اور ایک دوسرے پر کرم کرتے تھے۔ مہربانی کرتے تھے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم ـــــ ان کی طرح بلند مقام پر تو پہنچنا چاہتے ہو۔ مگر اُن کی سی غیرت وحمیت اپنے اندر

نہیں رکھتے۔ وہ کام کرتے تھے اور تم باتیں بناتے ہو۔ بھلا محض باتوں سے بھی کسی قوم نے دنیا میں عزت کا مقام حاصل کیا ہے۔ تمہارے بزرگوں نے آپس میں محبت اور اتحاد پیدا کیا اور ہمارے بتائے ہوئے طریقے پر چلے تو ہم نے ان کو ایران اور روم کے تخت و تاج دیدیئے۔ اور تم نے اتفاق اور محبت چھوڑ کر فرقہ بندی کا راستہ اختیار کیا اور ہمارے احکام سے سرکشی کی تو اس پستی و ذلت کی حالت کو پہنچ گئے۔ ہم تو عمل کا بدلہ دیتے ہیں۔ جیسا کوئی کرے گا ویسا بھرے گا۔

مشق

۱۔ شکوہ اور جواب شکوہ کے اشعار کو زبانی یاد کرو۔

۲۔ نیچے لکھے ہوئے ادھورے جملوں کو پورا کرو۔

(الف) اگر ہم زر و مال پر مرتے تو . . . . توڑنے کی بجائے ان کے بدلے میں . . . . . . حاصل کرتے۔

(ب) ہمارے مقابلے میں . . . . . . نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

(ج) تمہاری حالت تو اتنی خراب ہے کہ تم کو . . . . . . اسلام کی توہین ہے۔

۳۔ نیچے دیئے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

غضبناک ۔ رحیم ۔ خطا ۔ توحید ۔ حمیت

۴۔ مشکل الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی
جنگ ۔	لڑائی
عظمت ۔	عزّت
تیغ زنی ۔	تلوار چلانا
سربکف ۔	سر ہتھیلی پر لئے ہوئے
بُت فروشی ۔	بتوں کا بیچنا
بُت شکنی ۔	بتوں کا توڑنا
تیغ ۔	تلوار
قبلہ رو ۔	قبلے کی طرف
قومِ حجاز ۔	مسلمان
توحید ۔	خدا کو ایک ماننا
زیرِ خنجر ۔	تلوار کے نیچے
بندہ ۔	غلام
غنی ۔	مالدار
منفعت ۔	نفع
حرم ۔	کعبہ
فرقہ بندی ۔	فرقہ بنانا۔ ٹولیوں میں تقسیم ہونا۔
صف آرا ۔	صفیں بنانے والے

لفظ	معنی
زحمت ۔	تکلیف
اُمَرا ۔	امیر کی جمع ہے
ملّتِ بیضا ۔	اسلام
غضبناک ۔	غصہ میں بھرا ہوا
رحیم ۔	رحم کرنے والا
قلبِ سلیم ۔	درست، دانشمند اور دور اندیش دل
تختِ فغفور ۔	چین کے بادشاہ کا تخت۔
خطا کار ۔	خطا کرنے والا
خطا بین ۔	خطا دیکھنے والا
خطا پوش ۔	خطا کو چھپانے والا
اَوجِ ثُریّا ۔	ثریا کی بلندی۔ ثریا ستاروں کا ایک مجموعہ ہے ساتویں آسمان پر۔
سریرِ کَے ۔	ایران کا تخت
حمیّت ۔	غیرت

۱۳- باز اپنے بچے کو نصیحت کرتا ہے

بیٹے! تو جانتا ہے کہ تمام باز حقیقت میں ایک جیسی خوبیاں رکھتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں مُٹھی بھر پروں سے زیادہ نہیں ہوتے مگر اپنے پہلو میں شیر کا سا دل رکھتے ہیں۔ تو بھی اپنے اندر جرأت اور حمیت رکھ اور بڑی اور اعلیٰ درجے کی چیز کا چاہنے والا رہ۔ کبک۔ تورنگ اور سارس وغیرہ سے دور رہ۔ اُن سے صرف شکار کرنے کے وقت مِل۔ کیونکہ یہ قوم بڑی ڈرپوک، کمینہ خصلت ہے کہ اپنی چونچ مٹی سے آلودہ کرتی ہے۔

وہ باز جو اپنی شکار کے جانوروں سے زندگی کا طریقہ سیکھتا ہے آخر اُنہیں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہت سے شکرے زمین پر گر گئے اور دانہ چُننے والے پرندوں کی صحبت میں پڑ کر ہلاک ہو گئے۔ تو اپنی خوبیوں کی حفاظت کر اور خوش خوش زندگی گزار۔ دلیر، سخت اور طاقتور رہ، جسمانی نرمی اور نزاکت تیتر وغیرہ کا حصّہ ہے تیری رگیں ہرن کے سینگوں کی طرح سخت ہونی چاہئیں کہ دنیا میں خوش رہنا اُنھیں کا حق ہے جو سخت، طاقتور اور محنتی ہوتے ہیں۔

عُقاب نے اپنے بیٹے کو کیسی اچھی نصیحت کی ہے کہ بیٹے! بدن کے خون کا ایک قطرہ خالص لعل سے بہتر ہوتا ہے مجھے بوڑھے بازوں کی یہ نصیحت یاد ہے کہ کسی درخت پر آشیانہ نہ بنانا۔ ہم گھر نہیں بناتے، نہ باغ میں نہ جنگل میں ہمارے لئے تو کوہ و صحرا جنت ہے۔ زمین پر سے دانہ چُننا گناہ ہے۔ خدا نے ہم کو آسمان کی وسیع فضا عطا کی ہے۔ جس اصیل باز نے زمین کو چھُوا۔ وہ گھریلو مرغ سے بھی زیادہ کمینہ اور گرے ہوئے درجے کا ہوگیا۔ شاہبازوں کے لئے پتھر فرش کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ وہ پتھر پر چل کر اپنے پنجے تیز کرتے ہیں۔ تو جنگل کے اُن زرد آنکھوں والے بازوں سے تعلق رکھتا ہے جو لڑائی کے وقت چیتے کی آنکھوں سے پُتلی نکال لیتے ہیں۔ اور آخری نصیحت یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے نرم و سخت جو بھی تجھے میسر ہو کھالے مگر دوسروں سے اپنی غذا نہ لے اور نیک رہ اور نیک لوگوں کی نصیحت قبول کر کے اُس پر عمل کرتا رہ۔

۱۔ اقبال نے "باز اپنے بچے کو نصیحت کرتا ہے" کے عنوان سے ایک نظم اپنی مشہور کتاب "پیامِ مشرق" میں لکھی ہے "پیامِ مشرق" فارسی زبان میں ہے۔ ہم نے اُس کے خاص خاص حصّوں کا آسان اردو میں ترجمہ کر لیا ہے تاکہ تم اس سے فائدہ اُٹھا سکو۔

۲۔ یہ نظم اقبال نے اس لئے لکھی ہے کہ شاہین، باز اور عقاب جیسے پرندوں کو وہ بہت پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بعض بڑی اعلیٰ درجے کی خوبیاں پائی جاتی ہیں مثلاً خود دار اور غیرت مند ہوتے ہیں . . . آشیانہ نہیں بناتے۔ بلند پرواز ہوتے ہیں۔ اور تیز نگاہ ہوتے ہیں اور یہی صفات مومن کی ہوتی ہیں۔ اسی لئے اقبال مسلمان کو شاہین، عقاب اور باز وغیرہ اور مسلمان بچوں کو شاہین بچے کہتے ہیں۔ اس نظم کے ذریعے وہ بچوں کو یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ وہ شاہین بچے ہیں ان کو اپنے اندر شاہین اور عقاب کی سی خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں۔

مشق

۳۔ الفاظ کے معنی یاد کرو:۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
جُرأت	ہمت	آلودہ کرنا	بھرنا، خراب کرنا۔
حمیت	غیرت	تنومند	ہٹاکٹا، طاقتور
تورنگ	ایک جنگلی مُرغا	آشیانہ	گھونسلا
سارنگ	سیاہ رنگت کا پرندہ دلکش آواز والا، جو سفید دھبے رکھتا ہے۔	سِفلہ	کمینہ
		مُردار خوار	مرے ہوئے جانوروں کو کھانے والا۔
		صفات	خوبیاں
کمینہ خصلت	بُری عادتوں والا۔	بلند پرواز	بلندی پر اڑنے والا۔

۴۔ نیچے دیئے ہوئے لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

حمیت ۔ کمینہ خصلت ۔ آلودہ کرنا ۔ تنومند ۔ صفات

۵۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہ کو پُر کرو۔

(الف) قوی ، سخت اور تنومند آدمی . . . . . رہتا ہے۔

(ب) باز اور شاہین . . . . . . نہیں بناتے۔

(ج) باز اپنی غذا . . . . . حاصل نہیں کرتا۔

۱۴۔ طفلِ شیر خوار (دودھ پیتا بچہ)

میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو
مہرباں ہوں میں، مجھے نامہرباں سمجھا ہے تو؟

پھر پڑا روئے گا اے نوواردِ اقلیمِ غم!
چبھ نہ جائے دیکھنا! باریک ہے، نوکِ قلم

آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے؟
کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے، یہ بے آزار ہے

گیند ہے تیری کہاں؟ چینی کی بلی ہے کدھر؟
وہ ذرا سا جانور، ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو
آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرارِ آرزو

ہاتھ کی جنبش میں، طرزِ دید میں پوشیدہ ہے
تیری صورت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ امتیاز
تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلاتا ہے تو
کیا تماشا ہے ردی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
تو تلوّن آشنا، میں بھی تلوّن آشنا

عارضی لذت کا شیدائی ہوں، چلاتا ہوں میں
جلد آ جاتا ہے غصہ، جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو لبھا لیتا ہے حسنِ ظاہری
کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

تیری صورت گاہ گریاں، گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں، طفلِ ناداں میں بھی ہوں

نظم کا مطلب یہ ہے:-

اے بچے میں نے تجھ سے چاقو چھین لیا ہے تو اس پر تو روتا

ہے! میں تجھ پر مہربان ہوں اور تو مجھے نامہربان سمجھتا ہے! اچا تو اس لئے چھینا ہے کہ کہیں اس سے تیرا ہاتھ نہ کٹ جائے!)

قلم کی نوک بھی باریک ہے، اس سے بھی ہوشیار رہنا! اگر چبھ گئی تو پھر روئے چلائے گا۔

اے بچے! آخر تجھے دُکھ دینے والی چیز ہی سے پیار کیوں ہے! یہ کاغذ کا ٹکڑا ہے، اس سے کھیل، یہ "تکلیف دینے والا نہیں ہے۔ اپنی گیند سے کھیل، اپنی چینی کی بلّی سے کھیل، یہ چیزیں تکلیف دینے والی نہیں ہیں۔ ان سے کیوں نہیں کھیلتا؟

اے بچے! جب تک تو ماں کے پیٹ میں تھا، تو ہر قسم کی آرزو اور خواہش سے پاک تھا۔ لیکن دنیا میں آتے ہی تیرے اندر آرزوؤں اور تمناؤں کا ایک طوفان آگیا۔ اور اب یہ آرزو طرح طرح سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کبھی ہاتھ کی حرکت سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی ایک خاص انداز کے ساتھ دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ تیری طرح تیری آرزو بھی نوزائیدہ (بچہ) ہے

اے بچے! تیری زندگی اچھے برے کی تمیز سے آزاد ہے، اسی لئے تو ہر چیز سے خوش ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے تجھ کو قدرت کا راز معلوم ہے۔ قدرت بھی امتیاز نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب تو کسی بات پر ناراض ہو کر روتا چلاتا ہے تو ایک معمولی

سے کاغذ کے ٹکڑے ہی سے بہل جاتا ہے۔

آہ! یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس عادت میں کہ کبھی خوش ہے اور کبھی ناخوش، میں بھی تیرے ساتھ شریک ہوں۔ میری بھی ایسی ہی عادت ہے جیسی تیری، میں بھی عارضی لذّت پر جان دیتا ہوں۔ اور اس کے نہ ملنے پر روتا چلاّتا ہوں اور مل جانے پر خوش ہو جاتا ہوں یعنی جیسا تلوّن تیری طبیعت میں ہے کہ تو کبھی ایک چیز کی تمنّا کرتا ہے کبھی دوسری کی، ایسا ہی تلوّن میری طبیعت میں ہے۔ میں بھی ابھی ایک چیز سے خوش ہوں تو تھوڑی دیر میں کسی دوسری چیز کی آرزو کرنے لگتا ہوں۔ اور تیری طرح میری آنکھوں کو بھی ظاہری حُسن لبھا لیتا ہے۔ اس طرح میری نادانی بھی تیری نادانی سے کم نہیں ہے۔ تیری طرح میں بھی کبھی روتا ہوں اور کبھی ہنستا ہوں۔ غرضکہ دیکھنے میں نوجوان ہوں ورنہ حقیقت میں میں بھی طفلِ نادان ہی ہوں۔

ا۔ اس نظم میں اقبال نے اول بچے کی ذہنی حالت بیان کی ہے کہ وہ اچھے بُرے کی تمیز نہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف دینے والی چیزوں سے بھی کھیلنے لگتا ہے، معمولی چیز سے بہل جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کی طبیعت میں

تلوّن ہوتا ہے یعنی ایک حال پر قائم نہیں رہتی۔ کبھی کسی چیز کی آرزو کرتی ہے تو کبھی کسی اور چیز کی۔

بچے کی ذہنی حالت بیان کرنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ نوجوان بھی طفل شیر خوار ہی کی طرح تلوّن مزاج ہوتے ہیں۔ یہ بھی کبھی ایک چیز کی تمنّا کرتے ہیں تو کبھی دوسری چیز کے لئے بے چین ہونے لگتے ہیں۔ عام طور سے بچوں کو نادان کہا جاتا ہے لیکن غور سے دیکھئے تو نوجوان اور بوڑھے بھی نادانی میں بچوں سے کم نہیں ہیں۔ وہ بھی بچوں کی طرح عارضی لذّت کے شیدائی اور ظاہری حُسن کے چاہنے والے اور فانی چیزوں کے حاصل کرنے کے خیال ہی میں رہتے ہیں۔

مشق

۲۔ اقبال نے بچّے کی ذہنی حالت کیا بتائی ہے؟

۳۔ اقبال نے بچّے اور جوان کو نادانی میں برابر کیسے قرار دیا ہے؟

۴۔ نیچے دئیے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

بے آزار۔ جنبش۔ تلوّن۔ شرار۔

۵۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
شے	چیز	آئینہ	یہاں دل مُراد ہے۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
طرزِ دید	دیکھنے کا انداز	شرار	پتنگا
نوزائیدہ	جو ابھی ابھی پیدا ہوا ہو	ہم آہنگ	متفق
بے آزار	جو تکلیف نہ دے	تلوّن	ایک حال پر قائم نہ رہنا

۱۵- مذہب

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
اُن کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں!
اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

اقبال نے اس نظم میں یورپ کی قوموں اور مسلمانوں کے درمیان فرق بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:-

اے مسلمان! اپنی قوم کو یورپ کی قوموں جیسا نہ سمجھ۔ اُن میں اور تیری قوم میں بڑا فرق ہے! مسلمان قوم دوسری قوموں سے اس لئے مختلف ہے کہ یورپ کی قوموں کا اتحاد ملک وملّت، وطن اور رنگ ونسل وغیرہ سے قائم ہے اور مسلمانوں کا اتحاد مذہب کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ یعنی دنیا بھر کے مسلمان دین کے رشتے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں۔ مسلمانوں نے اگر دین کو چھوڑ دیا تو ان کا قومی اتحاد بھی ختم ہو جائے گا اور جب اتحاد ختم ہو گیا تو قوم بھی باقی نہیں رہے گی۔

غرضکہ یورپ والوں کی دیکھا دیکھی ہم کو وطن اور رنگ و نسل وغیرہ پر فخر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دین اسلام پر فخر کرنا چاہیئے اور دین کے ذریعے اپنے اندر اتحاد پیدا کر کے اپنی قوم کو مضبوط بنانا چاہیئے۔

مشق

۱۔ اس نظم کو زبانی یاد کرو۔
۲۔ مسلمانوں اور دوسری قوموں میں کیا فرق ہے؟
۳۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ملت	قوم	رسولِ ہاشمی	محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو قبیلہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں۔
قیاس کرنا	سمجھنا		
اقوامِ مغرب	یورپ کی قومیں		
قومِ رسولِ ہاشمی	مسلمان	جمعیت	قومی اتحاد

۱۶۔ کافر و مومن

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

۱۔ کافر تلوار پر بھروسہ کرتا ہے، بغیر تلوار کے نہیں لڑ سکتا۔ کیونکہ اس کو خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اور مومن بغیر تلوار کے بھی لڑتا ہے، اس لئے کہ اُس کو خدا پر بھروسہ ہوتا ہے کہ خدا چاہے تو بغیر تلوار کے بھی فتح مند کر سکتا ہے۔ اور تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بہت کم اور نہتے مسلمان کافروں کی بھاری جمعیت پر جو ہتھیاروں سے بھی لیس تھی، غالب آئے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر تو مسلمان نے کافر کو اپنی تلوار دیدی ہے اور خود بغیر تلوار کے لڑ کر فتح حاصل کی ہے۔

۲۔ اگر مسلمان خدا کا نافرمان ہو گیا یا اُس کا خدا پر ایمان نہیں رہا تو پھر نہ اس کی قسمت میں فقیری ہے نہ بادشاہی

اور اگر اس کا خدا پر ویسا ہی ایمان ہے جیسا ایک مسلمان کا ہوتا ہے تو وہ فقیری میں بھی بادشاہی کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے درویشوں کے حالات سے ثابت ہے کہ عوام تو عوام بادشاہ بھی ان کا انتہا درجہ کا احترام کرتے تھے اور ان کی خدمت میں نیازمندوں کی طرح حاضر ہوتے تھے۔

۳ - اگر مسلمان نافرمان ہے تو خدا کی تقدیر کے تابع ہوتا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ خدا نے ازل میں اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی ہوگا۔ محنت اور کوشش کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہتا ہے۔ اور کچھ نہیں کرتا۔ اور اگر مومن ہے تو وہ خود ہی تقدیر الٰہی ہوتا ہے۔ یعنی اپنی کوشش، محنت اور تدبیر سے جیسا چاہتا ہے ویسا ہی اپنے آپ کو بنا لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ تقدیر پہلے سے بنی بنائی کوئی چیز نہیں ہے عمل سے بنتی ہے۔ انسان اپنے عمل اور اپنی محنت اور کوشش سے جیسا اپنے آپ کو بنائے گا۔ اسی کے مطابق اس کی تقدیر بھی ہو جائے گی۔

مشق

۱- تم ان اشعار کو زبانی یاد کرو اور صاف صاف خوشخط اپنی کاپی میں بھی لکھ لو۔

۲ - کافر تلوار پر بھروسہ کس لئے کرتا ہے اور مومن بغیر

تلوار کے بھی لڑنے کے لئے کیوں تیار ہو جاتا ہے؟

۳۔ کیا تقدیر پہلے سے بنا دی گئی ہے اور اس وجہ سے انسان کو دوڑ دھوپ نہیں کرنی چاہیے؟

۴۔ نیچے لکھے ہوئے مصرعوں کو پورا کرو۔

(الف) کافر ہے تو . . . . . کرتا ہے بھروسہ

(ب) مومن ہے تو . . . . . لڑتا ہے سپاہی

(ج) مومن ہے تو . . . . . شاہی

۵۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
تابع	فرمانبردار	فقیر	درویش، اللہ والا
شمشیر	تلوار	:	:

۱۷- محرابؔ گُل افغان کے افکار

نظم

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

اونچی جس کی لہر نہیں وہ کیسا دریا ہے!
جس کی ہوائیں تیز نہیں ہیں وہ کیسا طوفان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سُلطانی قربان!

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج!
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

اقبال نے اپنی کتاب "ضرب کلیم" میں محراب گُل افغان کے خیالات نظم کئے ہیں۔ محراب گُل افغان اپنے افغان بھائیوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرکے دنیا کی دوسری قوموں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ان کو اپنے بھائیوں کی غفلت پر بڑا افسوس ہے۔

اس نظم میں اقبال نے محراب گُل افغان کی زبانی سرحد کے افغانوں کو انقلاب کا پیغام دیا ہے، سرحد، یعنی آزاد علاقے کے افغانوں میں وہ خوبیاں موجود ہیں، جن کی اگر صحیح تربیت کی جائے تو یہ اپنے آپ کو بدل کر اپنے لئے ایک اونچا مقام حاصل کرسکتے ہیں ان میں دینی حمیّت بہت ہے، اپنے دل میں جہاد کا جذبہ دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ رکھتے ہیں۔ فطرتاً بہادر ہیں اور جفاکش بھی ہیں اور انگریز

اور انگریزیت دونوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں۔

اقبال چونکہ ان کی ان خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے انھوں نے اس نظم میں ان کو غفلت سے بیدار ہونے اور اپنے آپ کو بدلنے کی نصیحت کی ہے۔

پہلے بند میں فرماتے ہیں کہ اے سرحد کے افغان! اپنے آس پاس کی دنیا کو دیکھ، ہر طرف انقلاب آیا ہوا ہے، تُرک بھی بدل گئے، شامی بھی بدل گئے اور ہندوستان بھی بدل گیا۔ اللہ نے تیرے اندر بڑی صلاحتیں رکھی ہیں۔ تو بھی اپنی ذاتی صلاحیتوں کو پہچان اور اُن سے کام لے کر اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر۔

دوسرا بند۔

اگر موسم بھی اچھا ہو، پانی بھی کثرت سے ہو اور مٹی بھی زرخیز ہو۔ پھر بھی کوئی دہقان اپنے کھیت کو نہ سینچے تو وہ کیسا دہقان ہے! اس کو دہقان کہنا ہی نہیں چاہیئے۔ یعنی جب تم کو خدا نے ایسی اچھی صلاحیتیں دی ہیں اور پھر ہر قسم کے قدرتی وسائل بھی تم کو میسّر ہیں، اچھی آب و ہوا۔ پانی کی کثرت، زرخیز مٹی وغیرہ۔ تو پھر تم غفلت میں کیوں پڑے ہو، تم بھی اپنے آپ کو پہچانو اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے نہ رہو۔

تیسرا بند۔

تم تو سمندر ہو (بڑے عالی ظرف اور بلند حوصلہ والے) پھر کیا وجہ

ہے کہ تمہارے اندر جوش و خروش نہیں ہے؟ تم تو طوفان ہو (بڑے مستعد اور جفاکش اور بہادر) پھر تمہاری رگوں میں ایسی سُستی کیوں ہے؟۔ غافل افغانو! اپنے آپ کو پہچانو اور اس غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اپنے موجودہ حالات کو بدلو۔

چوتھا بند۔

یاد رکھو! جس نے اپنی ذات میں غوطہ لگا کر اپنی صلاحیتوں کو پہچان لیا اور ان کی قدر کی ایسے دہقان کے مقابلے میں سلطان بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اے غافل افغان! اپنے آپ کو پہچان، یعنی اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے۔

پانچواں بند۔

یہ سچ ہے کہ تیرے علاقے میں علم و حکمت کی روشنی نہیں پہنچی ہے۔ لیکن یہ تیری بے علمی ہندوستان کے اُن علما کے علم و فضل سے بہتر ہے جو اپنی خودی کو بیچ رہے ہیں کوئی ہندو کا ساتھ دے رہا ہے اور کوئی انگریز کا غلام بنا ہوا ہے۔ اور ہندو اور انگریز ان سے جو کام لینا چاہتے ہیں لیتے ہیں۔

بہر حال اے افغان! اپنی غفلت سے باز آ اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور قدرتی وسائل کی قدر کر اور ان سے کام لیتے ہوئے اپنی موجودہ قابل افسوس حالت کو بدل اور ترقی کی راہ پر چل۔

مشق

۱۔ آزاد علاقے کے افغانوں کے وہ خصوصیات کیا ہیں جن کی وجہ سے اقبال نے ان کو خاص طور پر خطاب کیا ہے؟

۲۔ آزاد علاقے میں علم وحکمت کی روشنی نہ پہنچنے کے باوجود اقبال نے اس علاقے کے لوگوں کی کس بات کی تعریف کی ہے اور علماء کے مقابلے میں بھی ان کو اچھا کیوں بتایا ہے؟

۳۔ نیچے دیئے ہوئے دونوں بندوں کو اپنی کاپی میں صاف صاف اور خوشخط نقل کرو۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!
اپنی خودی پہچان!
او غافل افغان!

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان
اپنی خودی پہچان!
او غافل افغان!

١٧- اقبال اور اُن کے اُستاد

١- مولوی سید میر حسن۔

سیالکوٹ میں ایک کالج تھا جس میں ایک بزرگ مولوی سید میر حسن شاہ علوم مشرقی (عربی و فارسی) پڑھاتے تھے۔ ان کی تعلیم میں یہ خاص بات تھی کہ جو کوئی ان سے عربی یا فارسی پڑھتا وہ اس کی طبیعت میں اُس زبان کے ساتھ دلچسپی پیدا کر دیتے تھے۔ اور جو کچھ بتا دیتے وہ دلوں پر نقش ہو جاتا تھا۔ اقبال کو ابتدائی عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علم حاصل کرنے کا شوق قدرتی طور پر موجود تھا۔ فارسی اور عربی مولوی صاحب مرحوم سے پڑھی۔ پھر کیا تھا؛ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ مولوی صاحب نے شاگرد کے شوق اور ذہن کی خوبیوں سے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ لڑکا آگے چل کر بڑا نام پیدا کرے گا۔ اور اس لئے بڑی محنت سے پڑھانے لگے۔ شاگرد کا شوق اور سوجھ بوجھ دیکھ کر مولوی صاحب بہت خوش ہوتے تھے۔ مولوی صاحب کے سیکڑوں شاگرد تھے مگر وہ سب سے زیادہ اقبال پر مہربان تھے۔ کیوں نہ ہوتے؟ اُن کے شاگردوں میں کون ایسا تھا جو

شوق اور ذہانت میں اقبال کا مقابلہ کر سکتا۔ کہ اِدہر مولوی صاحب کی زبان سے کوئی بات نکلتی تھی اور اُدہر اُن کا ذہن بجلی کی سی تیزی سے اُس کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔ دوسروں کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا تھا۔

اقبال بھی اپنے استاد کی بڑی عزت کرتے تھے، چنانچہ جب گورنمنٹ نے اُنہیں "سر" کا خطاب دینا چاہا تو انہوں نے کہا کہ مجھے یہ خطاب اس شرط پر منظور ہے کہ میرے استاد کو شمس العلما بنا دیا جائے۔ اور جب گورنر نے کہا کہ میں نے ان کا نام آج پہلی دفعہ سُنا ہے۔ کیا انھوں نے کچھ کتابیں لکھی ہیں؟ تو علامہ اقبال نے فرمایا کہ انھوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن میں اُن کی زندہ کتاب آپ کے سامنے موجود ہوں۔ وہ میرے استادِ محترم ہیں۔ چنانچہ مولوی میر حسن شمس العلماء ہو گئے۔

اقبال نے انگلستان جاتے ہوئے جو نظم حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ پر پڑھی تھی اُس میں بھی جہاں اپنے ماں باپ اور بڑے بھائی کا ذکر کیا ہے وہاں مولوی صاحب کے متعلق کہا ہے کہ:-

نَفَس سے جس کے کھِلی میری آرزو کی کلی — بنایا جس کی مُروّت نے نکتہ داں مجھ کو
دُعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں — کرے پھر اُس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

اُستاد کی عظمت کے بارے میں یہ واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔
۱۹۱۳ء کا ذکر ہے کہ سید محمد عبداللہ ان سے مِلنے گئے تو
وہ فرمانے لگے۔

عبداللہ جی! یورپ کا کوئی ایسا بڑا عالِم یا فلسفی نہیں ہے، جس سے میں نہ مِلا ہوں اور کسی نہ کسی موضوع پر بے جھجک بات نہ کی ہو۔ لیکن، نہ جانے کیا بات ہے کہ شاہ جی (میر حسن مرحوم) کے آگے مجھ سے بات نہیں کی جاتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے کسی نقطۂ نظر سے مجھے اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن دل کی بات بآسانی زبان پر نہیں لا سکتا۔

ایک بار اقبال کو یہ کہتے بھی سُنا گیا کہ شاہ جی کا کیا کہنا! شاہ جی کی ہر بات شعر ہوتی ہے اِن باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال اپنے استاد مولوی سید میر حسن شاہ کا کس قدر احترام کرتے تھے اور ان کے لئے ان کے دل میں کتنی محبت عظمت اور عقیدت تھی۔[۱]

۲ـــ نواب مرزا داغ دہلوی۔

اقبال ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہر شہر میں اردو زبان اور شاعری کا چرچا کم و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ

[۱] روزگارِ فقیر حصہ اوّل۔

میں بھی اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اقبال نے اس مشاعرے کے لئے بھی کبھی کبھی غزل لکھنی شروع کردی۔

اردو کے شاعروں میں ان دنوں نواب مرزا داغ دہلوی کی بڑی شہرت تھی۔ اور نواب دکن کے استاد ہونے سے ان کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لوگ جو ان کے پاس جا نہیں سکتے تھے۔ خط و کتابت کے ذریعہ سے ان سے شادی اختیار کرتے تھے۔ غزلیں ڈاک میں ان کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لئے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان سیکھنے کے لئے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے غزل کے فن میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ اس ابتدائی غزل گوئی میں وہ باتیں موجود نہ تھیں جن کی وجہ سے کلام اقبال نے بعد میں شہرت پائی۔ مگر مرزا داغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم

کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انہوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ شاگردی استادی کا تعلق بہت دیر قائم نہیں رہا۔ مگر اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی بڑی قدر تھی[1] اپنے استاد کی شاعری اور زبان دانی پر فخر کیا کرتے تھے اور جب داغ کا انتقال ہوا تو ان کا ایسا پُردرد مرثیہ لکھا جس میں ان کے کمالات شاعری اور زبان کی خوب جی کھول کر تعریف کی ہے۔ اور اُن کے انتقال پر اپنے گہرے صدمے کا بڑے مؤثر الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان کے انتقال کو اردو زبان اور شاعری کے لئے نقصانِ عظیم قرار دیا ہے۔ یہ مرثیہ اردو کے بہترین مرثیوں میں شمار ہوتا ہے۔

۳۔ مسٹر آرنلڈ۔

سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے

لہ۔ مقدمہ بانگ درا۔

۷۴

تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لئے اقبال کو لاہور آنا پڑا۔ ان کی طبیعت کو فلسفہ سے خاص لگاؤ تھا۔ اور لاہور کے استادوں میں انہیں ایک نہایت شفیق اُستاد مل گئے۔ جنھوں نے فلسفہ کے ساتھ ان کی طبیعت کا لگاؤ دیکھ کر اُنھیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ جو بعد میں سر ٹامس آرنلڈ ہو گئے یہ غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے اور فلسفہ میں کمال رکھتے تھے اور علمی جستجو اور تلاش کے نئے طریقوں سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور طرزِ عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں کامیاب ہوئے۔ مگر وہ اپنی ملازمت کی مدت پوری کر کے واپس انگلستان چلے گئے۔ تو اُس کا اقبال کو بڑا رنج ہوا۔ چنانچہ ان کی یاد میں ایک نظم لکھی جو "نالہ فراق" کے نام سے "بانگ درا" میں شامل ہے۔ اس نظم میں اقبال نے مسٹر آرنلڈ کی تعریف کی ہے۔

اور اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اس بات پر اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے کہ وہ ابھی فلسفہ میں درجۂ کمال کو نہیں پہنچے تھے کہ استاد کے فیض تعلیم سے محروم ہو گئے۔ اور بالآخر یہی شوقِ علم اُن کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گیا اور وہاں یہ رشتۂ استادی شاگردی اور بھی مضبوط ہو گیا۔ آرنلڈ صاحب خوش تھے کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور ان کا شاگرد علمی دنیا میں ان کے لیے شہرت کا باعث ہوا۔ اور اقبال کو اقرار تھا کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن نے ڈالی تھی اس کے آخری مرحلے آرنلڈ صاحب کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے اقبال نے اپنی نجی صحبتوں اور اپنی تحریرات میں اپنے استاد کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے اور ان کی شاگردی پر فخر کیا ہے اور آرنلڈ صاحب کہا کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق سے محقق تر کر دیتا ہے۔ ؎

مشق

۱۔ داغ دہلوی کی شاگردی اقبال نے کس طرح اختیار کی؟

۲۔ مولوی سید میر حسن مرحوم کو شمس العلما کا خطاب کس صلے میں ملا؟

۳۔ مسٹر آرنلڈ اقبال کے بارے میں کیا خیال رکھتے تھے؟

۴۔ الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
نَفَس	سانس	کلامِ موزوں	شعر

؎ مستفاد از مقدمہ بانگِ درا۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
شفیق	مہربان	نقطۂ نظر	خیال
شادمان	خوش	نقصانِ عظیم	بہت بڑا نقصان
محقق	تحقیق کرنے والا	قلق	رنج

۱۸- اقبال کے لطائف

(ہنسنے ہنسانے کی باتیں)

اقبال کی طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی کا مادہ بھی بلا کا تھا۔ خواہ کیسا مضمون ہو وہ ہنسنے ہنسانے کا پہلو نکال لیا کرتے تھے۔

۱۔ فقیر سید وحید الدین مرحوم فرماتے ہیں۔

میرا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ پہلی ہی ملاقات میں میں نے علاوہ اور باتوں کے حضرت علامہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ "انگلستان پہنچ کر لوگ اپنے نام فرنگیانہ بنا لیتے ہیں۔ آپ کو بھی چاہیے تھا کہ اپنا نام "A. K. Ball" رکھ لیتے۔ اقبال نے بلا تامل جواب دیا "بھئی ہم نے تو الیا نہیں کیا مگر تم ولایت جاؤ تو اس نسخے پر ضرور عمل کرنا اور اپنا نام W. A. Hcccsd رکھ لینا۔

میں اس جواب سے کچھ لاجواب سا ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد کسی بہانے سے وہاں سے کھسک آیا۔

(روزگار فقیر حصہ اول)

۲۔ عبد اللہ چغتائی سے علامہ اقبال کو بڑا لگاؤ تھا۔ اُن کی ملاقات کے منتظر رہتے اور ان کی باتیں سنتے اور محظوظ ہوتے۔ ایک بار

چغتائی صاحب عرصے کے بعد علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ نے اُنھیں دیکھتے ہی فرمایا۔

"عبد اللہ! اتنے دنوں سے کہاں تھے؟"

چغتائی صاحب نے جواب دیا۔

ڈاکٹر صاحب! کیا عرض کروں، آج کل اس قدر مصروفیت رہتی ہے کہ فرصت ہی نہیں ملتی۔ اور فرصت ملتی ہے تو وقت نہیں ملتا۔"

علامہ نے اس جواب پر بے اختیار قہقہہ لگایا اور فرمایا۔

"عبد اللہ! تم نے آج وہ بات کہی ہے جو آئن اسٹائن کے باپ کو بھی نہیں سوجھی ہوگی۔

آئن اسٹائن — یورپ کا بہت بڑا فلسفی گزرا ہے اور وقت (Time) کے فلسفے میں خاص طور سے شہرت رکھتا ہے۔

۱۹۔ شاہد اور عزیز کی گفتگو

شاہد اور عزیز گہرے دوست ہیں۔ روزانہ شام کے وقت ملا کرتے ہیں اور اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی شاعری پر کبھی ملک کے حالات پر۔ کبھی غالبؔ اور حالیؔ پر۔ کبھی قائد اعظم اور پاکستان پر۔ غرض اس طرح دونوں دوست ایک دوسرے کے علم میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایک ملاقات میں شاہد نے عزیز سے پوچھا کہ علامہ اقبالؔ جو اتنے بڑے مفکر اور شاعر ہیں ان کا بچپن کیسا گزرا۔

عزیز نے شاہد کو تفصیل سے اقبال کے بچپن کے حالات سنائے۔

عزیز — حالات تو بہت ہیں مگر میں فی الحال چند خاص خاص باتیں عرض کرتا ہوں۔

۱۔ اقبال نے اُس زمانے کے عام رواج کے مطابق اوّل مکتب میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد وہ انگریزی مدرسے میں داخل ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ ان کا دینی رنگ ایسا پختہ ہو گیا کہ تعلیم جدید کے تمام درجے طے کر لینے اور فلسفے میں کمال حاصل کرنے کے باوجود بھی وہ بڑے پکّے مسلمان رہے۔

۲۔ اقبال کو پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ کلاس میں استاد جو کچھ پڑھاتا وہ اُسے بڑے غور سے سنتے اور اُسی وقت یاد کر لیتے۔ استاد ان کی ذہن کی تیزی اور علم حاصل کرنے کے شوق سے بہت خوش تھے۔ اور یہ ان کی محنت، ذہن کی تیزی اور شوق سے پڑھنے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ ہر جماعت میں اول درجے میں کامیاب ہوئے، وظیفہ پایا اور تمغے حاصل کیے۔

۳۔ اقبال کو قرآن کی تلاوت کا بڑا شوق تھا۔ بڑے دلکش لہجے میں اور اونچی آواز سے ہر روز صبح کے وقت قرآن پڑھا کرتے کہ جو سُنتا اُس کا جی یہی چاہتا تھا کہ بس سنتا ہی رہے۔ ان کے والد بھی بیٹے کو قرآن پڑھتے سُنا کرتے اور بہت خوش ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے اقبال کو نصیحت کی کہ بیٹے! قرآن کو یہ سمجھ کر پڑھا کرو کہ یہ تم پر نازل ہو رہا ہے یعنی خدا تم سے خطاب کر رہا ہے۔ اقبال نے اس نصیحت پر بڑی سختی سے عمل کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اُس دن سے قرآن پڑھنے میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے۔

۴۔ اقبال بھی بچوں کی طرح کھیلتے تھے مگر اول تو شریفانہ کھیل کھیلتے تھے۔ پھر شریف اور اچھے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اور کھیلنے میں زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ زیادہ وقت وہ پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی وہ کسی گہرے غور و فکر میں ایسے ڈوب جاتے کہ کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ یہ غور و فکر اس بات کی ابتدا تھی کہ وہ آگے

چلکر ایک بہت بڑے فلسفی اور مفکر ہونے والے تھے۔

۵ — ایک دفعہ بچپن میں انھوں نے کسی سائل کے لکڑی مار دی تھی سائل ان کے دروازے سے کسی طرح ٹلتا نہیں تھا اس پر ان کو غصہ آگیا اور انھوں نے اُس کے ایک لکڑی اس زور سے کھینچ ماری کہ جو کچھ مانگ کر لایا تھا وہ بھی ہاتھ سے گر گیا۔ ان کے والد نے یہ بات دیکھ لی۔ اُن کو اس سے بڑا دُکھ ہوا اور نہایت درد بھرے الفاظ میں اُن کو خدا اور رسول سے ڈرایا۔ باپ کی باتوں کا اقبال پر ایسا اثر ہوا کہ اُس دن کے بعد سے انھوں نے پھر کبھی کسی کو ایسی بات بھی نہیں کہی جو اس کی دل آزاری کا سبب ہو بلکہ غریبوں اور درویشوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

۶ — اقبال کی ذہانت کے بارے میں ایک لطیفہ بھی مشہور ہے کہ کسی دن اتفاق سے وہ اسکول دیر سے پہونچے تو ان کے

استاد نے اُن سے کہا"

اقبال تم ہمیشہ سے دیر سے آتے ہو اس پر اقبال نے فوراً جواب دیا۔

اقبال ہمیشہ دیر سے ہی آتا ہے۔

اقبال دیر تھے۔ اتفاق سے کسی دن

دیر ہو گئی تو استاد نے ان کی ذہانت آزمانے کے لئے خوش طبعی کے طور پر ایسا کہہ دیا تھا۔ اقبال کا یہ جواب سُن کر استاد ان کی اس ذہانت یا اور حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا آگے

جل کر ایک نام آور شخص ہونے والا ہے۔

۷۔ اقبال کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ صبح بہت جلد سو کر اُٹھتے تھے۔ فجر کی نماز پڑھتے اور اس کے بعد قرآن کی تلاوت اور تلاوت سے فارغ ہو کر کسی قدر ورزش کرتے اور ناشتہ کر کے اسکول چلے جاتے۔ یہ صبح جلدی اٹھنے کی عادت اُن میں ایسی پختہ ہو گئی تھی کہ جب وہ تین سال یورپ میں رہے تو وہاں بھی اس میں کوئی فرق نہ آیا۔ چنانچہ اپنی سحر خیزی کا انھوں نے جگہ جگہ اپنے کلام میں ذکر کیا ہے اور سحر خیزی کے فائدے بیان کئے ہیں۔

شاہد۔۔ عزیز صاحب! واقعی آپ اقبال کے بارے میں بڑی معلومات رکھتے ہیں۔ آج آپ نے بڑی مفید معلومات سے نوازا ہے۔ خدا کرے ہماری نئی نسل بھی اقبال کے بچپن کے واقعات سے سبق حاصل کرے۔ اچھا یہ تو بتائیے اقبالؒ نے پاکستان کے قیام میں کیا حصہ لیا۔

عزیز۔۔ صاحب! یوں تو اقبال کے یورپ سے واپسی کے بعد کی تمام شاعری پاکستان کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہے۔ کہیں نوجوانوں کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں کہ وہ کیا ہیں اور کہیں بوڑھوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت اس طرح کریں کہ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہو کر اپنے کھوئے ہوئے قومی مقام کو حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اُن کی سب سے پہلی فارسی کی کتابوں اسرارِ خودی

اور رموزِ بیخودی کے پڑھنے سے ہمارے اس خیال کی تائید ہو جائے گی۔ مگر جب ۱۹۳۰ء میں انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی، جو الٰہ آباد میں ہوا تھا تو اپنے خطبۂ صدارت میں صاف صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ مسلمان، ہندوؤں کی فرقہ پرستی کی وجہ سے اُن کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے ان کو اپنی اکثریت والے صوبوں میں اپنی علیحدہ مملکت قائم کرنی چاہیے۔ چنانچہ علامہ اقبال کے اس خیال کی تکمیل قائدِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشہ پر نمودار ہو گیا۔

شاہد۔ بہت بہت شکریہ عزیز صاحب! بڑا کرم فرمایا۔ کسی دوسرے موقع پر پھر آپ کو تکلیف دوں گا اِن شاء اللہ۔ خدا حافظ!

مشق

الفاظ کے معنی یاد کرو۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
اقبالی	اقبال کو ماننے والا	نازل ہونا	اُترنا
رواج	قاعدہ	شریفانہ	شریفوں کا سا
پُختہ	پکّا	سائل	سوال کرنے والا، بھکاری
تِلاوت	قرآن پڑھنا	عقیدت	مُحبّت
لہجہ	لَے، قراءت	برجستہ	بے ساختہ، ایک دم

لفظ	معنی	لفظ	معنی
سحر خیزی	صبح جلدی اُٹھنا	زحمت	تکلیف
ناقص	خراب جس میں نقص ہو	تکمیل	پورا ہونا

۱۔ اقبال کے بچپن کے حالات میں سے کچھ حالات اپنے الفاظ میں بیان کرو۔

۲۔ قرآن کی تلاوت کے بارے میں اقبال کے والد نے ان کو کیا نصیحت کی تھی؟

۳۔ کیا اقبال بچپن میں نہیں کھیلتے تھے؟ اگر کھیلتے تھے تو ان میں اور دوسرے لڑکوں میں کیا فرق تھا۔

۴۔ نیچے لکھے ہوئے جملوں کو پورا کرو۔

(الف) بھلا کون سا پڑھا لکھا مسلمان ہے جس کو اقبال سے . . . .

(ب) بھئی جب اقبال سے دلچسپی ہے تو ان کا . . . .

(ج) اقبال کو قرآن کی تلاوت کا . . . .

۵۔ نیچے دیئے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

شریفانہ اقبال مندی سحر خیزی زحمت مطالعہ۔

اقبال کے خاص خاص اشعار

اقبال کے اُن اشعار میں سے جو لوگوں کو زبانی یاد ہیں اور بہت زیادہ پڑھے جاتے ہیں، چند اشعار تم بھی یاد کرلو۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی، ایک — کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک؟

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ زمیں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں!

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!

قیمت ۳-۵۰

مشہور آفسٹ پریس کراچی